R. N. 2186.51

Regd. No. A 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 29

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ شمارہ ۳۰ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | علی گڑھ۔ ۸ر اگست ۱۹۶۲ء

جاوید نہال

تاریخ شیر شاہی

مظہر علی خاں ولاؔ نے فورٹ ولیم کالج کے عہد ملازمت میں دو عمدہ تاریخیں مرتب کیں، جو اصل میں فارسی کتابوں کا ترجمہ ہیں، ولاؔ کی پہلی تاریخی کتاب جہانگیر نامہ کا ترجمہ تاریخ جہانگیر شاہی کے نام سے ہے اور دوسری تاریخ شیر شاہی ہے، جو اصل میں تحفۂ اکبر شاہی کا ترجمہ ہے، اور جس میں شیر شاہ سوری کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، جہانگیر شاہی کے چار سال قبل ولاؔ نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے قائم مقام کپتان جیمس موبیٹ کی فرمائش پر تحفۂ اکبر شاہی کا اردو میں ترجمہ کیا، کتاب کے خاتمہ پر ولاؔ نے اس کے ترجمہ کے متعلق لکھا ہے کہ

"ترجمہ تاریخ شیر شاہی کا پانچویں جمادی الاول بعد از نماز جمعہ سن بارہ سو چودہ ہجری مطابق دوسری اگست ۱۸۰۵ء میں سر انجام ہوا[1]"

بیتال پچیسی اور ہفت گلشن سے فراغت پا کر ولاؔ نے تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ شروع کیا تھا، یہ کتاب اصل میں مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے حکم سے عباس خاں لکھنؤ سروانی نے تصنیف کی تھی، یہ شیر خاں سوری کی پیدائش، عروج اور شہنشاہ ہمایوں کے ساتھ جنگی مہمات کی عمدہ تاریخ ہے، عباس خاں لکھنؤ نے اپنی اس کتاب کا نام تحفۂ اکبر شاہی رکھا تھا، تحفۂ اکبر شاہی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ شیر شاہ کی اوائل زندگی ہمایوں کے ساتھ اس کی تبرد آزمائی، دلی سلطنت پر افغانوں کا قبضہ اور مغل حکمران ہمایوں کی شکست، شیر شاہ کے جانشینوں کی نااہلی، ایران سے ہمایوں کی مراجعت کا حال بڑی ایمان داری سے بیان کیا گیا ہے۔ گو مصنف عباس لکھنؤ نے یہ کتاب جلال الدین اکبر بادشاہ کے حکم و ایما سے تصنیف کی تھی، پھر بھی اس نے ایمان داری کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، اور صحیح صحیح واقعات و حالات لکھنے کی کوشش کی ہے، تاریخ جہانگیر شاہی کی طرح اس میں مغل عظمت اور بہادری کی افسانوی داستان بیان نہیں کی گئی ہے۔

مظہر علی خاں ولاؔ نے عباس علی بن شیخ علی سروانی کی اس فارسی کتاب کے دیباچے کا بھی ترجمہ کر دیا ہے۔ اردو تاریخ شیر شاہی اسی دیباچے سے شروع ہوتی ہے۔

"حمد و ثنا اس خالق خلق کے لئے لائق ہے جس نے عادل بادشاہوں کی تیغ آبدار کے ابر سے سرسبزی عطا کی اور والا قدر بادشاہوں کی تیغ سیاست سے فتنہ و فساد کے کدورت و غبار کو دنیا و دین کے گھر کے صحن سے دور کیا اور درود بے شمار راہ ہدایت کے ہدایت کرنے والوں پر کہ وے گمراہی کے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کی شاہراہ پر پہنچاتے ہیں، بموجب تحفۂ اکبر شاہی کا تیسرا طبقہ گروہ سور کی سلطنت کے احوال میں کہ وہ لودی پٹھانوں کی قوم میں سے تھا، مفصل تین باب، پہلا باب کہ شیر خاں سور کی سلطنت کے بیان میں، دوسرا باب شیر خاں کے بیٹے اسلام خاں کی بادشاہت میں، تیسرا باب ان بادشاہوں کے احوال میں جو شیر خاں کے رشتہ داروں اور علاقہ مندوں میں تھے، جنھوں نے اسلام خاں کے بعد سلطنت کا دعوا کر کے خطبہ و سکہ اپنے نام کا پڑھوایا اور جاری کیا[2]"

فارسی دیباچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحفۂ اکبر شاہی افغانوں کی

---

[1] دیکھئے قلمی نسخہ ورق ۱۰۷، یہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

[2] قلمی نسخہ تاریخ شیر شاہی ورق ۴

مغل سلطنت (اکبر اعظم تک) کی جامع اور مفصل تاریخ ہے، اس کے تیسرے طبقہ کا ترجمہ والا نے تاریخ شیر شاہی کے نام سے کیا ہے اکبر کے عہد سلطنت کے واقعات اس کی فوجی مہمات، فتح و شکست اور نظام حکومت کا جو مفصل حال ہے اس حصہ کا ترجمہ نہیں ہو سکا ہے کیونکہ تاریخ شیر شاہی شیر خاں کے ... شکست ... ختم ہو جاتی ہے۔

تاریخ شیر شاہی ... مفید تاریخ ہے، گو یہ کتاب اکبر کے حکم پر اس کے معاصر عباس علی ... نے لکھی ہے، پھر بھی وہ دیانتداری پر قائم ہے، مغل فوجوں کی پیہم شکستوں اور ہمایوں کی پسپائی اور فرار کا حال بھی بے کم و کاست ایمان داری سے بیان کیا ہے اس نے لیپ پوت کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

اس کتاب کی یہی بہت بڑی خوبی ہے۔ اسی بنا پر یہ شیر شاہ کے عہد کا قابل وثوق ماخذ خیال کی جاتی ہے۔

تاریخ شیر شاہی میں شیر خاں کی ابتدائی اور گھریلو زندگی پر بھی مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ شیر خاں سور کے دادا سے یہ کہانی شروع ہوتی ہے، باپ، اور پوتے پر جاکر ختم ہوتی ہے خاندانی حالات کے باب میں وہ واقعات بھی نظر انداز نہیں کئے گئے جن کا شیر خاں کی بعد کی زندگی پر اثر پڑا تھا سوتیلی ماں کا ازلی بغض، سوتیلے بھائیوں کی رقابت اور دشمنی، باپ کا عتاب اور شہر بدر ہونے کا حال بھی بڑے دل چسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے۔

دلی سلطنت پر قبضہ کے قبل جاگیر کے انتظام اور انصرام میں شیر شاہ نے جس فراست اور ذہنی ہوش مندی کا ثبوت دیا تھا وہ اس کے مستقبل میں ایک عظیم حکمراں ہونے کی نشان دہی کرتی تھیں اور ہوا بھی ایسا ہی۔ شیر شاہ کے باب میں اس کی فراست، ذکاوت اور بہادری کا حال بھی ایمان داری سے بیان کیا گیا ہے، جس سے مصنف کے ساتھ ساتھ اکبر کی بھی وسیع القلبی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ شیر شاہی تاریخ اکبر اعظم کے حکم پر تصنیف ہوئی تھی لیکن مورخ نے نہ تو مروت اور نہ ہی خوف سے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا، مورخ عباس گلگبور پر کسی قسم کی بھی پابندی ہوتی تو اس عہد کی دوسری تاریخوں کی طرح یہ کتاب بھی شہنشاہ اکبر کی عظمت کے ترانوں سے بھری ہوتی۔

تاریخ شیر شاہی، شیر خاں کے دادا ابراہیم سور کے احوال سے شروع ہوتی ہے۔

"سلطان بہلول کے عصر میں شیر خاں سور کے دادا ابراہیم نے اپنے بیٹے میاں حسن کو جو شیر خاں کا باپ تھا پٹھانوں کی بستی کے اس مقام سے کہ جسے پشتو میں ڈوغری اور زبان ملتانی میں روہری کہتے ہیں اور وہ ہری ایک ٹکڑا پہاڑ کا ہے کہ کوہ سلیمان سے نکلا ہے اس کا طول ہنگی سات کوس کا ہے ہندوستان میں شیخ خاں سور داؤد خان قبیل کے پاس بھیجا کہ جس کی جاگیر میں سلطان بہلول نے پرگنہ ہریانہ اور بجنگ کا عنایت کیا تھا اور اس کا نوکر ہوا اور بجواڑے میں رہنے لگا، سلطان بہلول کے عہد میں شیر خاں پیدا ہوا اور نام اس کا فرید رکھا گیا[1]"

سلطان بہلول کے دور میں ملک میں بدنظمی اور انتشار کا حال بھی سرسری ... کیا گیا ہے۔ فرید خاں کی پرورش، صغر سنی میں اس کی تعلیم، دانائی اور خداداد ... کا حال مورخ نے اس انداز سے بیان ... ہوتا ہے کہ ... شیر خاں کو قابلیت، فراست اور دانائی خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی، انتظام جاگیر کے متعلق شیر خاں اور میاں حسن کے مکالمے سے شیر خاں کی بزرگی اور ذکاوت نمایاں ہوتی ہے۔

"اگر تم نے رعیت پر کچھ ظلم کیا ہے ایسی سزا دوں گا کہ سب نے دیکھی نہ سنی ہوگی، بعد اس کے انھوں نے ظلم کرنا موقوف کیا، رعیت آباد ہوئی اور خزانہ معمور ہوا بادشاہ نے فرمایا کہ یہ نتیجہ عدل و داد کا ہے......

اے پدر والا عزیزوں یا ملازموں سے کوئی میرے ہوتے پرگنے میں ظلم کرے گا، اگر سیاست کے لائق ہو گا سیاست کروں گا، والا جاگیر اس کی ضبط کروں گا۔ جب میاں حسن نے شیر خاں کی یہ باتیں سنیں بہت خوش ہو کر کہا سپاہیوں کی بحالی برطرفی وغیرہ کا تجھے مختار کیا اور جو کچھ تو کرے گا اس کے خلاف عمل نہ آئے گا[2]"

شیر خاں نے اپنی زندگی بابر کی ملازمت سے شروع کی تھی، اس لئے وہ مغلوں کے تمام کمزور پہلوؤں سے واقف تھا پھر بھی مغل سلطنت سے ٹکرانے کی اسے ہمت نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ ہمایوں کے بھائی سلطنت پر قابض ہونے کے لئے ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل ہیں تو چپکے چپکے مغلوں کے خلاف اس نے افغانوں کو متحد کرنا شروع کر دیا تھا، اس نے بھائیوں کی جنگ میں وسیع مغل سلطنت کے زوال کی تصویر دیکھ لی تھی، تاریخ شیر شاہی میں لکھا ہے۔

"جب شیر خاں نے معلوم کیا کہ اب پٹھان میرے ساتھ متفق ہیں اور مغلوں کی لڑائی پر دلیر ہیں رہتاس کے پہاڑوں سے نکل کر ہمایوں بادشاہ کے لشکر کی طرف روانہ ہوا اور ہر منزل میں لشکر باندھتا اور ٹھہر ٹھہر کر تھوڑا تھوڑا کوچ کرتا جب ظل سبحانی نے سنا کہ شیر خاں آتا ہے بادشاہ نے بھی مراجعت فرمائی اس نے عرضی لکھی کہ اگر حضور سے بنگالے کا ملک بندے کو مرحمت ہو تو سکہ اور خطبہ بادشاہ کے نام کا رائج ہو[3]"

(باقی صفحہ ۸ پر)

[1] دیکھئے ورق ۹ ق ۲، [2] ورق ۱۹ ق ۲، [3] ورق ۲۶ ق ۲

مولانا حفظ الرحمن کا انتقال

نئی دہلی ۲ر اگست - جنگ آزادی کے زبردست مجاہد، ملک کے مقتدر لیڈر اور اردو کے پرجوش حامی مولانا حفظ الرحمن کا آج صبح فجر کے وقت نئی دہلی میں انتقال ہو گیا۔ ۵ بجے شام کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے جوار میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔

سرآمد روزگار این فقیرے
دگر دانائے راز آید نہ آید

گزشتہ کئی مہینے سے مولانا کینسر کے مرض میں مبتلا تھے، جس کے علاج کے لئے وہ امریکا بھی گئے تھے، اور حال ہی میں واپس آئے تھے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۲ سال تھی۔

مولانا حفظ الرحمن ایک مخلص رہنما، بلند پایہ عالم زبردست مقرر اور اردو کے اچھے مصنف بھی تھے۔ ملک کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں سے عموماً اور انجمن ترقی اردو ہند سے خصوصاً ان کو گہرا تعلق تھا۔

مولانا کے انتقال کی خبر سنتے ہی انجمن کے کارکنوں کا ایک فوری تعزیتی جلسہ ہوا۔ جمعیۃ علما اور مولانا کے پسماندگان کے نام تعزیتی تار بھیجا گیا اور ان کے سوگ میں انجمن کا دفتر بند رہا۔

مختصر حالاتِ زندگی

مولانا حفظ الرحمن ۱۰ر جنوری ۱۹۰۱ء کو قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ اردو کے مشہور جواں مرگ ادیب ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کے وہ قریبی عزیز تھے۔ ابتدائی تعلیم سیوہارے ہی میں حاصل کی۔ پھر ملک کی مشہور انگریز دشمن دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہیں سے فضیلت کی سند لی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس ہو گئے۔ مدرسہ ڈابھیل (گجرات) اور مدرسہ عالیہ (کلکتہ) میں بھی کچھ عرصے تک استاد کے فرائض انجام دیتے رہے۔

ملک کو غلامی سے نجات دلانے کی تڑپ مولانا حفظ الرحمن کو وراثت ملی تھی۔ دیوبند کی تعلیم نے ان کے اس جذبے کو تیز تر کر دیا۔ چنانچہ کم عمری ہی سے انھوں نے ملک کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ خلافت کی تحریک سے ان کی عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ اسی تحریک کی راہ سے وہ کانگریس میں داخل ہوئے، گاندھی جی کی تمام تحریکوں میں پرجوش حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۳۵ء سے پہلے ہی وہ یو پی کی صوبائی کانگریس کے ممبر منتخب ہوئے اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۳۶ء سے اس وقت تک یو پی ہی سے وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر منتخب ہوتے رہے۔

جمعیت علمائے ہند کے ابتدائی دور ہی سے مولانا حفظ الرحمن کو اس ادارے سے گہرا تعلق رہا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں وہ جمعیت کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور ۱۹۴۲ء میں جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ زندگی کے آخری لمحے تک تن دہی و سرگرمی سے وہ اس عہدے کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۴۶ء میں مولانا حفظ الرحمن یو پی اسمبلی کے ممبر، اور حصول آزادی کے بعد دستور ساز اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ دستور کے نفاذ کے بعد وہ امروہہ (ضلع مراد آباد) کے حلقۂ انتخاب سے ہندستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر چنے گئے اور آخری وقت تک اسی حلقۂ انتخاب کی نمائندگی کرتے رہے۔

مولانا حفظ الرحمن کو سیاست کے ساتھ ساتھ ملک کے علمی، ادبی، تعلیمی اور ثقافتی مسائل سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ وہ ندوۃ المصنفین کے بانیوں میں سے تھے جو آج ملک کا معتمد علمی ادارہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مختلف دینی مدارس کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ اور ایگزیکیٹیو کونسل کے بھی وہ ممبر تھے۔

اردو سے مولانا حفظ الرحمن کو فطری طور پر گہرا لگاؤ تھا۔ متعدد قابل قدر اردو کتابوں کے وہ مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں اسلام کا اقتصادی نظام، قصص القرآن اور سیرۃ رسول قابل ذکر ہیں۔

مولانا حفظ الرحمن مرکزی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ اور اس کی مختلف کمیٹیوں کے سرگرم رکن تھے۔ اردو ہی کے سلسلے میں انھوں نے بستر مرگ سے یو پی کے وزیر اعلیٰ کو لسانی فارمولے کے متعلق ایک پر درد خط لکھا تھا۔ انھوں نے اس خط کی ایک نقل وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی بھیجی تھی۔ وزیر اعظم نے مولانا کو جو جواب لکھا ہے وہ لسانی فارمولے کے سلسلے کی ایک اہم دستاویز اور مولانا حفظ الرحمن کی زندگی کا آخری کارنامہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے زندگی کے آخری لمحوں تک اردو کے ساتھ اپنی دلچسپی جاری رکھی تھی۔

(محمد عتیق صدیقی)

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش

اُردو سے متعلق حکومت آندھرا پردیش کی پالیسی کا اعلان

حکومت آندھرا پردیش نے مقامی انجمن ترقی اُردو کی اس یادداشت کے حوالے سے جس میں مختلف شعبوں میں اُردو کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا حسب ذیل فیصلوں کا اعلان کیا ہے: مقننہ، دفتری اور عدالتی دفتری خدمات میں راست بھرتی کے اغراض کے لئے اُردو کو ایک علاقائی زبان قرار دیا جا چکا ہے اس سلسلے میں مزید کوئی کارروائی غیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ایسے ضلعوں یا ان سے چھوٹے رقبوں میں جہاں اُردو بولنے والے عوام کا تناسب کسی رقبے کی آبادی میں ۱۵ تا ۲۰ فی صد ہو، اہم قوانین اور قواعد، دستور العمل اور اعلانات اُردو زبان میں پہلے ہی سے جاری کئے جا رہے ہیں۔ یہ تجویز کہ ضلع پریشدوں یا بعض حصوں کی مقامی مجالس کی روئیدادیں، انگریزی یا تلگو کے علاوہ اُردو میں بھی مرتب کی جائیں، سہولت بخش یا قابل عمل نہیں ہے۔ اُردو میں درخواستیں قبول کرنے کی سہولتیں اس وقت موجود ہیں ایسی درخواستوں پر اسی طرح کارروائی عمل میں آتی ہے جس طرح تلگو میں پیش ہونے والی درخواستوں پر۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُردو میں پیش ہونے والی درخواستوں کا جواب بھی اُردو میں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی گزیٹڈ اور نان گزیٹڈ خدمات میں، جن کے لئے زبان دوم کے امتحانات مقرر ہیں اُردو کو ایک زبان دوم تسلیم کیا جا چکا ہے اور اس کی حیثیت برقرار ہے۔ ایسے ابتدائی اور تحتانی اسکولوں میں، جہاں فی جماعت کم سے کم (۱۰) طلبہ یا فی اسکول کم سے کم (۴۰) طلبہ موجود ہوں اور ایسے سکنڈری اسکولوں میں جہاں چھٹی سے آٹھویں یا ساتویں سے نویں جماعتوں تک کے لئے طلبہ کی تعداد کم سے کم ۴۵ ہو۔ اُردو میں تعلیم دینے کی موجودہ سہولتیں کافی سمجھی جاتی ہیں۔ حکومت نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ سرکاری خدمات میں ایسے افراد کی بھرتی میں جن کی زبان دوم اُردو ہو کوئی روک نہیں ہونی چاہئے بشرطیکہ دوسری مقررہ کم سے کم شرطوں کی تکمیل ہوتی ہو۔ تلنگانہ کے تمام ضلعوں میں نیز کنٹورا کرنول اور کڑپہ ضلعوں میں جہاں دفتری اور عدالتی دفتری خدمات میں بھرتی کے لئے کسی علاقائی زبان سے واقفیت بھرتی کی ایک شرط قرار دی گئی ہو اُردو کو ایک علاقائی زبان سمجھا جائے۔ جہاں کسی جائیداد پر ترقی کے لئے تلگو زبان کا امتحان ایک زائد قابلیت قرار دیا گیا ہو وہاں کسی ایسے اُردو داں ملازم کا جس نے تلگو امتحان میں کامیابی حاصل نہ کرلی ہو، ترقی کے لئے لحاظ کیا جائے اگر وہ دوسری طرح سے مستحق ہو، اس شرط کے تابع کہ مذکورہ امتحان میں معینہ مدت کے اندر کامیابی حاصل کرلی جائے گی۔ متعلقہ محکموں کو ہدایات دی جا چکی ہیں کہ وہ مذکورہ فیصلوں کے تعلق سے ضروری عمل کریں۔ اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ نیچے بتائی ہوئی سہولتیں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ (۱) ہر ایسا فرد جو ہندی یا اُردو سے واقف ہو سرکاری ملازمت میں داخل ہو سکتا ہے اور اس کے بعد ہندی یا اُردو کے ایک مقررہ معیار کے امتحان میں معینہ مدت کے اندر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ (۲) اُردو تلنگانہ علاقہ میں ایک عدالتی زبان کی حیثیت سے چلی آرہی ہے۔ (۳) قانون ساز مجالس میں ان مجالس کے ارکان، اسمبلی کے اسپیکر، یا کونسل کے صدرنشین کی اجازت سے جیسی بھی صورت ہو اُردو میں تقریریں کرتے ہیں۔ (۴) ایسے مقامات پر جہاں اُردو پڑھنے اور بولنے والے عوام زیادہ تعداد میں ہوں، سائن بورڈ اُردو میں بھی لگائے جاتے ہیں۔ (۵) ایسے طلبہ کے لئے جن کی مادری زبان اُردو ہے، اُردو ذریعہ تعلیم والے اسکول بڑی تعداد میں قائم ہیں۔

انجمن ترقی اُردو ہلدوانی

انجمن ترقی اُردو ہلدوانی کی جانب سے ۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء کو بسلسلۂ جشن آزادی ایک شاندار مشاعرہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے جس کی ابتدائی تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں اور مقامی و بیرونی شعرائے کرام کو مدعو کیا جا رہا ہے۔

ہندی والوں کو تنگ نظری ترک کرنا چاہئے

بہار اسمبلی کے اسپیکر شری ایل این سدھانسو نے گیا ضلع ہندی ساہتیہ سمیلن کے زیر اہتمام ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حامیانِ ہندی کو وارننگ دی ہے کہ اگر وہ ہندی کو ایک زندہ زبان بنانا چاہتے ہیں تو انھیں دوسری زبانوں کے بارے میں تنگ نظری ترک کرنا چاہئے اور ان زبانوں کے الفاظ کو ہندی میں شامل کرنے کے لئے رواداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ ہندی کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف ہندستان میں بولی جانے والی زبانوں کے الفاظ، بلکہ ہندستان کے باہر کی زبانوں کے بھی الفاظ کو ہندی میں اپنا لیا جائے۔

بہار اسمبلی کے فاضل اسپیکر نے آل انڈیا ریڈیو کی نئی پالیسی کی بھی حمایت کی جس کے مطابق ہندی کو آسان اور عام فہم بنایا جا رہا ہے۔ شری سدھانسو نے کہا کہ ہندی میں فارسی اور دوسری زبانوں کے الفاظ شامل ہونے سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔

کرشن موہن

زمستاں کی ایک شام

زمستاں کی وہ شام رنگیں، مرے ذہن میں رقص فرما رہی ہے
جو "گیلارڈ" میں تیرے لطفِ فراواں کی مرہونِ احساں ہوئی تھی۔
نگاہوں میں وہ ریستوراں کی نجیلی فضا گھومتی ہے۔
محبت کی ترسی ہوئی آرزو جھومتی ہے۔
مرے جذبۂ عشرت کو تیری رسیلی اداؤں کی یاد مسرت فزا چومتی ہے۔
مری زیست اُس فرصتِ پرفسوں میں
مسرت کے اک نقطۂ پُرسکوں پر ٹھہر سی گئی تھی۔
کہ شورِیدگی کچھ مسحور سی ہو گئی تھی۔
مجھے کم سے کم ایک لمحے کو محسوس ہونے لگا تھا۔
حیاتِ بشر گفتگوئے حسیں کے سوا کچھ نہیں ہے۔
مئے احمریں کے سوا کچھ نہیں ہے۔
مجھے آج وہ کیف آگیں ملاقات یاد آ رہی ہے
تو گویا مرے پاس بیٹھی ہے، محفل کو گرما رہی ہے ———
مرے دل کو گرما رہی ہے۔
زمستاں کی وہ شام رنگیں مرے ذہن میں رقص فرما رہی ہے۔

یاسر جامی

کچھ عنوان کچھ افسانے

اُن کا خیال
ساتھ اُس کے سب میرے خواب
میرا سوال
صرف "نہیں" اک اُن کا جواب
اُن کا چہرہ
جس سے روشن ہے مہتاب
اُن کا پردہ
جیسے مجھ پر ایک عتاب
اُن کا دماغ
دُنیا کرے جسے آداب
شغل ایاغ
نشہ اپنا اُن کی شراب
اُن کی محفل
جس میں لاکھوں دل بے تاب
اپنا دل
بے بس اور معتوبِ شباب
اُن کا غم
مسرورشکب خوشی اک دردِ خواب
وہ اور ہم
دُنیا کی مشہور کتاب ———

وحیدہ نسیم

بیتی باتیں

یاد آتی ہیں بیتی سب باتیں   کاش آتیں نہ چاندنی راتیں
پہلے تھیں بجلیاں تبسم کی   اور اب آنسوؤں کی برساتیں
صبحِ خنداں میں اب وہ بات نہیں   شام کی وہ نہیں مداراتیں
زندگی تلخ ہے نسیمہ کیوں
کون جانے یہ راز کی باتیں

تمنا یوسفی

رباعی

سنگیت کی سرکار سے پوچھا ہوتا   بربط کے ہر اک تار سے پوچھا ہوتا
گزری ہے جو رقص جو رقاصہ پہ   پازیب کی جھنکار سے پوچھا ہوتا

غزلیں

سید حرمت الاکرام

حرمت مجھ سا سوختہ دل   اور یہ جنت آب و گل!
سونے سونے ماضی و حال   سہما سہما مستقبل
ختم ہے شاید دل کا سفر   ڈھونڈھتی ہے مجھ کو منزل
بجلیو! تم ہی بن جاؤ   میرے خرمن کا حاصل
لب پہ تبسم، دل میں چھری   دنیا ہے کتنی قاتل!
میں ہی بڑھ نہ سکا حرمت   ورنہ دور نہ تھی منزل

نصیر کنجاہی

کیا ہے ایسا محبت نے بے زباں مجھ کو   کہ یاد ہی نہیں اب دل کی داستاں مجھ کو
سناؤں میں جو فسانہ فریبِ منزل کا   زمانہ کہنے لگے میرِ کارواں مجھ کو
قفس میں ہر طرح آرام ہے مجھے صیاد   ستا رہی ہے مگر یادِ آشیاں مجھ کو
نہ راستہ کا نہ منزل کا ہے نشاں معلوم   یہ لے چلا ہے کہاں میرِ کارواں مجھ کو
ملی اجازتِ سجدہ نہ پاسباں سے نصیر   ملا نصیب سے اُن کا جو آستاں مجھ کو

فراز حامدی

آپ کے دامن کا جس کو بھی سہارا مل گیا   اُس کو سیلِ بحرِ عصیاں میں کنارا مل گیا
مجھ کو تو سہارا دل تھا خود بھی خطرۂ عصیاں سا   اور کچھ تیرے کرم سے بھی سہارا مل گیا
کوئی مجھ سا بھی نہیں ناکامِ بحرِ آرزو   میں نے جب خود ڈوبنا چاہا کنارا مل گیا

محمد نور خاں نور جلیسری

یوں مرے دل کے داغ جلتے ہیں   شام جیسے چراغ جلتے ہیں
مے تھی ساقی! اگر آتشِ سیال   آج کیسے ایاغ جلتے ہیں
کون جانے؟ اگر کیا ہے عشق کی آگ   دل سلگتے ہیں داغ جلتے ہیں
آج سوزِ دروں کا فیض ہے عام   آج سب باغ و راغ جلتے ہیں
نور بڑھتی ہے اور آتشِ غم   جیسے جیسے چراغ جلتے ہیں

نادم سیتاپوری

"پنجاب ریویو"

مولانا ظفر علی خاں کے ماہنامہ "پنجاب ریویو" کے بارے میں جناب محمد بشیر الحق دسنوی کا ایک مختصر مضمون یکم مئی سنہ ۱۹۶۲ء کے "ہماری زبان" میں شائع ہوا ہے جس میں دسنوی صاحب نے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے "دلیسہ سیکشن" میں "پنجاب ریویو" کے آٹھ شماروں کا سرسری تذکرہ فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ماہنامہ اگست سنہ ۱۹۱۰ء میں مولانا ظفر علی خاں نے جاری کیا تھا۔ اس کتب خانے میں دسنوی صاحب کو مارچ، اپریل، مئی اور جون ۱۹۱۱ء کے چار شمارے نہیں ملے۔ میرے کتب خانے میں "پنجاب ریویو" کا صرف ایک فائل ہے جس میں شمارہ ۱۰ کے سوا پہلی جلد کے بقیہ گیارہ شمارے موجود ہیں اور جیسا کہ اس زمانے میں رواج تھا۔ "پنجاب ریویو" بھی بہ اعتبار طباعت "خاص اور عام" اقسام پر تقسیم تھا۔ "خاص قسم" کا کاغذ بہت ہی دبیز اور پائدار ہوتا تھا اور "عام قسم" کا معمولی۔ اسی لحاظ سے سالانہ چندہ بھی "خاص" کا پانچ روپیہ آٹھ آنے اور "عام" کا تین روپیہ سات آنے تھا۔

جیسا کہ دسنوی صاحب نے تحریر فرمایا ہے یہ ماہنامہ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے وطن "کرم آباد" سے جاری کیا تھا لیکن کرم آباد میں پریس کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے یہ رسالہ لاہور کے "رفاہ عام سٹیم پریس" میں چھپا کرتا تھا۔ اور غالباً اسی قسم کی دشواریوں سے مجبور ہو کر مارچ سنہ ۱۹۱۱ء میں اس کا دفتر بھی کرم آباد سے لاہور منتقل کر دیا گیا چنانچہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کے مشترکہ پرچہ (شمارہ ۸ و ۹) میں مقام اشاعت "لاہور" ہی دیا ہوا ہے اور "ایڈیٹوریل" میں اس کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

"مارچ اور اپریل (سنہ ۱۹۱۱ء) کے دونوں نمبر اکٹھے نکالے جاتے ہیں۔ مئی اور جون (سنہ ۱۹۱۱ء) کے نمبر یکے بعد دیگرے غالباً ۱۵ جولائی تک ناظرین کی خدمت میں بھیج جائیں گے۔ اور اس کے بعد انشاء اللہ العزیز پرچہ وقت پر نکلا کرے گا یعنی ہر مہینے کا پرچہ مہینے کی آخری تاریخ کو حوالۂ ڈاک کر دیا جایا کریگا۔ ہمارا قیام "کرم آباد" پرچہ کی بر وقت اشاعت کو بہت کچھ مانع آتا رہا۔ چونکہ اب ہم لاہور آگئے ہیں اس لئے خدا کی ذات سے امید ہے کہ تمام دقتیں رفع ہو جائیں گی۔" (شمارہ ۸ و ۹)

اس شمارے کی فہرست مضامین من و عن درج ذیل ہے۔

۱۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر (مضمون) ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور۔

۲۔ اعلائے کلمۃ اللہ (نظم) ایڈیٹر (مولانا ظفر علی خاں)

۳۔ ذوق اور ناسخ (مضمون) مولوی حافظ حبیب علی صاحب کاکوروی۔ لکھنؤ

۴۔ اسلامی یونیورسٹی (۱) مولوی محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی
(۲) ممبران مدرسہ انجمن انوار العلوم حیدرآباد دکن
(۳) خواجہ دل محمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

۵۔ سائنس کا اعجاز (مضمون) پروفیسر فیروز الدین مراد بی۔ اے۔ بی۔ ایس۔ سی مدرسۃ العلوم علی گڑھ

۶۔ شکوہ (نظم) ڈاکٹر محمد اقبال صاحب۔ ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور

۷۔ غیبی تازیانہ (ایک اخلاقی ڈراما) مولوی انیس احمد صاحب مارہروی (علیگ)

۸۔ غزل، مولوی تفضل حسین صاحب فطرت۔ کلکتہ

۹۔ رفع انجیل (مضمون) مسٹر بلاسی رام مدرس مشن اسکول جلال پور جٹاں

۱۰۔ اردو (نظم) مولوی وجاہت حسین صاحب جھنجھانوی ایڈیٹر اصلاح سخن

۱۱۔ اسلام اور نقاد الکلام ۲ (مضمون) مولوی محمد عزیز اللہ صاحب حسینی۔ حیدر آباد دکن

۱۲۔ حضور رحمت اللعالمین (نظم) ایڈیٹر (مولانا ظفر علی خاں)

۱۳۔ غیاث الدین غلجی (مضمون) مولوی سید محمد فاروق صاحب

۱۴۔ غزلیات (۱) مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتہ
(۲) مولوی رشید احمد صاحب رشد خانوی۔ بھوپال
(۳) مولوی سید مظہر حسین صاحب اختر۔ میرٹھ

اداریہ صفحات اور سرورق ملا کر اس شمارے کی ضخامت پورے سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مختصر طور پر اس شمارے کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا مضمون "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" ان کی ایک انگریزی تقریر کا اردو ترجمہ ہے جو انھوں نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں کی تھی۔ اقبال کی اس انگریزی تقریر کا ترجمہ خود مولانا ظفر علی خاں نے کیا تھا جو اپنے دور کے ایک باکمال مترجم سمجھے جاتے تھے۔ "اسلامی یونیورسٹی" کے زیر عنوان تین نظمیں ہیں، پہلی عزیز لکھنوی کی۔ دوسری ممبران مدرسہ انجمن انوار العلوم حیدر آباد دکن کی۔ جس کے مقطع سے یہ ظاہر ہے کہ یہ نظم کسی "قادر" کا نتیجۂ فکر ہے۔ اور تیسری نظم پروفیسر خواجہ دل محمد کی ہے۔ یہ تینوں اردو نظمیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے متعلق ہیں۔ حصۂ نظم میں مولانا ظفر علی خاں کی دو نظموں کے علاوہ ڈاکٹر اقبال کا مشہور "شکوہ" بھی ہے لیکن "جواب شکوہ" نہیں ہے۔ اس شمارے میں مولانا ظفر علی خاں کے مشہور اخبار "زمیندار" کا اشتہار بھی ہے جو اس زمانے میں ہفت روزہ تھا۔ اس کا دفتر بھی کرم آباد سے لاہور منتقل ہو کر آ گیا تھا کیونکہ اس اشتہار میں دفتر کا پتہ۔ "بیرون منڈی۔ کٹڑی امیر چند۔ لاہور" درج ہے۔ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کا شمارہ تو یکجائی تھا ہی۔ لیکن وعدے کے مطابق اس کی اشاعت ماہ بماہ نہ ہو سکی اور مئی جون سنہ ۱۹۱۱ء (شمارہ ۱۰ و ۱۱) بھی یکجائی ہی شائع کیا گیا۔ اس کی ضخامت بھی سو صفحات کی ہے۔

فہرست مضامین ملاحظہ ہو۔

۱۔ نواب اعظم یار جنگ مرحوم۔ (مضمون) مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے انسپکٹر مدارس اورنگ آباد دکن۔

۲۔ نعت حضور خاتم النبیین۔ (نظم) کامل فتحپوری اکبرآبادی مرحوم (مغفور فارسی)

۳۔ رفع انجیل (مضمون) خواجہ عباد اللہ صاحب اختر
بی۔ اے۔ لائل پور

۴۔ ترانۂ تہنیت جشن تاج پوشی حضور ملک معظم (نظم) مولوی
حافظ سید فضل حق صاحب آزاد۔ بانکی پور

۵۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (مضمون) مولوی سید ابوالحسن صاحب بھوپال

۶۔ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نظم) مولوی عبدالطیف صاحب یکتا

۷۔ غزل (فارسی) علامہ شبلی نعمانی لکھنؤ

۸۔ نوید مسیحا (مضمون) مولوی حمید الدین صاحب بی۔ اے
پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ الہ آباد

۹۔ نغمۂ (مسدس) سفیر

۱۰۔ سلاطین مغلیہ کے سکوں کی ابیات۔ (مضمون)
ایڈیٹر (مولانا ظفر علی خاں)

۱۱۔ غزلیات (۱) آنریبل میاں شاہ دین صاحب (ہمایوں)
جج چیف کورٹ پنجاب۔ لاہور
(۲) مولوی تفضل حسین صاحب فطرت۔ کلکتہ

۱۲۔ انگریزی زندگی کی ایک دلربا جھلک۔ (مضمون)
ایڈیٹر (مولانا ظفر علی خاں)

۱۳۔ یونیورسٹی کی تحریک (نظم) حکیم الطاف احمد صاحب
آزاد سہارن پوری

۱۴۔ غزل۔ مسٹر غلام رسول مہر۔ لاہور۔

اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم کے متعلق ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کا یہ مضمون وہی ہے جو (غالباً) کچھ کمی بیشی کے ساتھ اس دور کے متعدد ادبی رسائل میں شائع ہوا تھا اور پھر بعد میں ان کی ایک مشہور تالیف "چند ہم عصر" کا جزو بن گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے "چند ہم عصر" میں شامل کرتے وقت بھی اس میں ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کچھ رد و بدل کر دیا تھا اور سرسید کے صاحبزادے سید محمود مرحوم کا یہ مصرعۂ تاریخ بھی شاید اب اس مضمون میں شامل نہیں ہے جو سید صاحب نے مولوی چراغ علی کی وفات پر لکھا تھا۔

حیف چراغ علی از دنیا نہاں شد
۱۸۹۵ء

غزلوں میں مولانا غلام رسول مہر کی "غزل" ان کے دور طالب علمی سے تعلق رکھتی ہے۔ مولانا مہر اس زمانے میں "اسلامیہ کالج لاہور" میں پڑھتے تھے۔ غزل کا مطلع ہے،

خریداری الم کی گرمی بازار جاں تک ہے
فلک نامہرباں پابندیِ جورِ بتاں تک ہے

"پنجاب ریویو" اپنے دور کے معیاری ادبی رسائل میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ اس صدی کے اردو صحافیوں میں مولانا حسرت موہانی کے بعد مولانا ظفر علی خاں ایک مخصوص انقلابی شخصیت کے مالک رہے ہیں۔ تحریر و تقریر اور نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ نظم و نسل دونوں کے مرد میدان۔ تیس برس ادھر "الورا ایجی ٹیشن" کے زمانے میں جہاں ایک طرف زمیندار کی آتش بار تحریروں نے سارے ملک میں آگ لگا رکھی تھی وہاں مولانا کی دھواں دھار تقریروں سے سارا پنجاب سلگ اٹھا۔ خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ جس زمانے میں مولانا ظفر الملک (ایڈیٹر الناظر لکھنؤ) نے مولانا کے خلاف قلمی محاذ جنگ قائم کیا تو اردو اخبار نویسوں کی پوری جماعت ان کی ہم نوا تھی۔ لالہ دینا ناتھ جی (ایڈیٹر دیش لاہور) پنڈت دیا کشن کول (ایڈیٹر ہندوستانی لکھنؤ) قاضی عبدالغفار (ایڈیٹر جمہور کلکتہ) شیخ ضیاء الحق (ایڈیٹر پیشوا) یہاں تک کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی اپنی محتاط نگاری کے ساتھ اسی صف میں نظر آتے تھے۔ اور ادھر مولانا ظفر علی خاں تن تنہا تھے اور وہ بھی اس تیور کے ساتھ کہ خوف و ہراس کا نام بھی نہیں تھا۔

میں نے مولانا ظفر علی خاں کو بہت قریب سے دیکھا ہے روزانہ اخبارات میں فی البدیہہ واقعاتی نظموں کی ایجاد کا سہرا انھیں کے سر ہے۔ نظم اس طرح قلم برداشتہ لکھتے تھے جیسے نثر لکھ رہے ہوں۔ قافیوں کی تلاش تو اکبر الہ آبادی کی طرح ان کا خاص کمال تھا۔ کہنہ مشق اور تجربہ کار صحافی ہونے کے باوجود کبھی کبھی بچوں کی طرح جذبات سے مغلوب ہو جایا کرتے تھے، اور یہی ان کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔

"پنجاب ریویو" کی پہلی جلد (شمارہ ۱) کے علاوہ جو پرچے میرے پیش نظر ہیں انھیں صحیح معنوں میں اس دور کے معیاری ادب کا عکاس کہا جاسکتا ہے۔ "ایڈیٹوریل" کے عنوان سے ہر مہینے مولانا سیاسیات حاضرہ پر تبصرہ کیا کرتے تھے اور تقریباً ہر نمبر میں مولانا کی ایک آدھ نظم یا مضمون ضرور ہوتا تھا۔ دسنوی صاحب نے آٹھ شماروں کے جن خاص خاص مضامین کی فہرست دی ہے ان کے علاوہ کچھ مضامین اور نظمیں ایسی بھی ہیں جو کسی نہ کسی نہج سے ہماری معلومات میں اضافہ کا سبب بن سکتی ہیں۔

بچوں کے سب سے پرانے ادیب اسمٰعیل میرٹھی جنھیں ایک پوری نسل کے معنوی استاد ہونے کا امتیاز حاصل ہے شاید کم ہی لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ محض بچوں کے ادیب ہی نہیں تھے بلکہ ایک بلند پایہ "قصیدہ نگار" بھی تھے۔ اسمٰعیل میرٹھی کو

غالب کی شاگردی کا شرف بھی حاصل تھا اور اسی نسبت سے وہ اپنے عام رنگ سے ہٹ کر قصیدہ کی دنیا میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء (شمارہ ۲) میں انھیں اسمٰعیل کے ایک فارسی قصیدہ کی تشبیب شائع ہوئی ہے جو فارسی ادب کا ایک کامیاب نمونہ ہے۔

اسی طرح اکتوبر کے شمارہ (۳) میں منولی محمد جعفر زمہری خیرآبادی کی ایک فارسی نعت بھی فارسی ادب میں ایک شاندار اضافہ ہے جس پر مولانا ظفر علی خاں نے اپنے ادارتی نوٹ میں زمہری کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

> "مولینا محمد جعفر صاحب خیرآبادی جو "زمہری" تخلص کرتے ہیں فارسی کے ایک نکتہ رس ادیب ہیں اور طبع موزوں رکھتے ہیں۔ "دکن ریویو" میں مولینا کا ایک نعتیہ قصیدہ شائع ہوا تھا جس کا مطلع تھا۔
>
> نو بہار آمد بریز اے بلبل از منقار گل
> از نسیم صبح شد خنداں چو روئے یار گل
>
> یہ قصیدہ عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں تھا جو اس نے اکبر کی مدح میں لکھا تھا اور "دکن ریویو" کے حلقۂ ناظرین میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اب مولینا نے "گل و بلبل" کی قدیم شاعرانہ رعایت کو پیش نظر رکھ کر ایک "قصیدہ ہزار پہ" بہ ردیف بلبل تحریر فرمایا ہے جسے ہم بخوشی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اس مشکل زمین میں مولینا اپنے فرض سے جس آسانی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں اس کے لحاظ سے مقطع میں ان کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے۔
>
> ہم آسماں بہ کلک زمہری شد   یہ عرفی شد الگ دشوار بلبل
>
> (صفحہ ۱۰۔ شمارہ ۳)

منولی محمد جعفر زمہری خیرآبادی اپنے دور کے ایسے باکمال فارسی ادیب و شاعر تھے جنھوں نے "سہ نثر ظہوری" کے جواب میں "سہ نثر زمہری" لکھ کر اپنے عہد کے فارسی داں طبقے سے اپنا لوہا منوایا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں جب یہ نعت "پنجاب ریویو" میں شائع ہوئی تھی زمہری مرحوم ریاست حیدرآباد میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔

شمارہ ۴ میں مولانا شبلی نعمانی کا مضمون "فوجی زندگی کا اثر شاعری پر"۔ ہماری موجودہ تعلیمی ضروریات (مولوی محمد اسرائیل کلکتہ) شمارہ ۵ میں ڈاکٹر ہینگ کا تجربہ (مولانا ظفر علی خاں) شمارہ ۱۱ میں ڈاکٹر اقبال کی "ایک ناتمام نظم کے چند اشعار" اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا مضمون "مجذوب کی بڑ" ماضی کے ایسے نقوش ہیں جنھیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

[illegible]

بقیہ

تاریخ شیرشاہی

تاریخ شیرشاہی میں ہمایوں اور شیرخاں کی جنگ کی وہی تفصیلات ہیں جو مستند تاریخوں میں ملتی ہیں اور شاید اسی کتاب سے ماخوذ ہوں۔ ہمایوں کی شکست اور بادشاہ بیگموں کی قید کا حال اور شیرخاں کا ان کے ساتھ مودبانہ برتاؤ کا حال چشم دید شہادت کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔

> "میں (عظم خاں) شیرخاں کے پاس کھڑا تھا کہ بیگم صاحبہ اور حرم محترم ہمایوں بادشاہ کی معیت میں رنڈیوں کے ہمراہ لائے، جس وقت شیرخاں نے ان کو دیکھا گھوڑے سے اتر کر بہت تعظیم و حرمت کی ...."

شیرخاں کی یہی انکساری، فروتنی اور خوبیاں اسے ہندوستان کا ایک مقبول اور عظیم ترین شہنشاہ بنا سکی تھیں اپنے مختصر عہد حکومت میں اس نے وہ کارنامے سرانجام دئے جن پر آج بھی ہندوستانیوں کو بجا طور پر فخر ہے اور تاریخ ہند میں اس کا نام زریں حروف میں لکھا گیا ہے۔ اس نے اپنی دانائی اور ذہانت سے تھوڑے ہی دنوں میں ملک کا بندوبست اس طرح کیا کہ طول و عرض میں امن شانتی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا اور اکبر نے اس کے ڈھانچے اور بنیاد ہی پر عظیم الشان مغل سلطنت کا قصر تعمیر کیا۔

تاریخ شیرشاہی ختم ہوتی ہے۔

> "شیرخاں عقل و کاردانی میں یکتائے زمانہ تھا اور تھوڑے دن میں بندوبست ملک، امن راہ اور آبادی ملک اور دلسوزی رعیت سپاہ کی کی تھی اس کا حال لکھا گیا۔ تیسرا طبقہ تحفۂ اکبرشاہی کا ہے۔ پٹھانوں کے احوال سے احوال بادشاہ یکتا اکبر کا ...."

اکبر بادشاہ اور شیرخاں کے نااہل جانشینوں کی تاریخ کا ترجمہ غالباً نہیں ہو سکا۔ شاید فورٹ ولیم کالج کو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی ہو۔

ولا کی تاریخ شیرشاہی کا یہ خطی نسخہ ۶ × ۱۰ اپر ہے اور ۱۶۶ اوراق پر پھیلا ہوا ہے، خوبصورت نستعلیق میں ہے اور غالباً مظہر علی خاں ولا کا ہی نوشتہ ہے۔ ولا کی دوسری تاریخ جہانگیر شاہی کی طرح یہ بھی شائع نہیں ہو سکی۔

تاریخ شیرشاہی، شیرخاں کے عہد کی مفید اور مستند تاریخ ہے۔ اس میں افغان اور مغل عہد کی سیاسی، اقتصادی، تہذیبی اور سماجی زندگی کے خاکے جابجا ملتے ہیں، اور اس وقت کے ہندوستان کی آسودہ حال زندگی کی تاریخ پڑھتے وقت ذہن کے جنت نظیر ہندوستان کا نقشہ آنکھوں میں کھنچ جاتا ہے!

ا؎ اس عہد کی تمام کتابوں میں رنڈیوں کا استعمال بے دھڑک ہوا۔ عورت گھر گرہست کے معنی میں ہی عام استعمال ہوا ہے۔ ۲؎ خاتمہ ورق ۱۶۰ (ا) ۳؎ ورق ۱۶۶ (ا) خطی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری۔

شاہد صدیقی کا انتقال

حیدرآباد کی ایک خبر کے مطابق ۳۰ر جولائی کی رات کو اردو کے مشہور حیدرآبادی شاعر شاہد صدیقی کا دماغ کی شریانیں پھٹ جانے کی وجہ سے دفعتہً انتقال ہو گیا۔ مرحوم کی عمر ۵۱ سال تھی۔

کلچر اینڈ ویلفیر (رام پور)

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں کلچر اینڈ ویلفیر رام پور کے اہتمام سے جشن شاد عارفی منایا جا رہا ہے۔ اس موقع پر شاد عارفی کے فن پر خصوصاً اور جدید شعر و ادب کے مسائل پر عموماً ایک سمپوزیم ہوگا جس میں اردو کے اہم نقاد حصہ لیں گے۔ ایک شاندار مشاعرہ ہوگا جس میں صرف پہلی صف کے شاعر شرکت کریں گے۔ اس موقع پر ایک ادبی نمائش ہوگی۔

(سکریٹری آصف علی کنوینر سلطان اشرف)

حیدرآباد میں بالغ بہروں کے لئے تربیتی مرکز

اس سال ستمبر کے وسط تک حیدرآباد میں قوت سماعت سے محروم بالغ بہرے نوجوانوں کا تربیتی مرکز اپنے کام کا آغاز کر دے گا۔ یہ دیش میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ ہے۔ یہ تربیتی مرکز مرکزی وزارت تعلیم کی طرف سے کھولا جا رہا ہے۔ اس میں ابتداءً ۳۰ افراد تربیت حاصل کر سکیں گے اور تیسرے پنجسالہ منصوبے کے اختتام تک اس ادارے میں ۱۲۰ اشخاص کو تربیت دی جانے لگے گی یہ ایک رہائشی ادارہ ہوگا اور خاص طور سے یہ بہروں کو انجینیرنگ سے متعلق کاموں میں تربیت دے گا تاکہ وہ لوگ اپنے گزر بسر کے لائق بن جائیں۔

پڑھنے والی برقی مشین

لندن - ۳۱ر جولائی - یہاں کے بازاروں میں پڑھنے والی ایک مشین بھی آگئی ہے۔ زیادہ تر یہ مشین تجارتی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے مگر اس کی ایک قسم کو امریکا کے محکمہ ڈاک نے "ڈاک سارٹر" کے طور پر سدھارا ہے۔ یہ مشین ایک گھنٹے میں ۹۳۰۰ پتے پڑھ سکتی ہے جو پتے صاف نہیں ہوتے یا جو اچھی طرح سے ٹائپ نہیں ہوتے انھیں یہ مشین ایک طرف پھینک دیتی ہے۔ یہ مشین ٹائپ کئے ہوئے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ پتوں کو پڑھ سکتی ہے۔

غنائی فلموں کی ڈائرکٹری

یونسکو نے غنائیہ فلموں کی ڈائرکٹری شائع کی ہے جو دنیا بھر میں تیار ہونے والی غنائیہ فلموں سے متعلق ہے یہ ڈائرکٹری بین الاقوامی موسیقی کونسل اور موسیقی کی تعلیم کی بین الاقوامی سوسائٹی کے تعاون سے تیار کی گئی ہے۔

اس کا مقصد اساتذہ اور تعلیمی محکموں کو ایسی فلموں سے روشناس کرانا اور ان کی طرف متوجہ کرنا ہے جن کو موسیقی کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ڈائرکٹری دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ۱۶ ملکوں میں تیار کردہ ۱۰۵ غنائی فلموں سے متعلق ہے جن کو موسیقی کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے حصے میں نو ملکوں میں تیار کی گئی ۴۴ اوپیرا فلموں کا ذکر ہے۔

قرون وسطیٰ کے اسلامی ممالک کا فلسفہ

داغستان میں قرون وسطیٰ کے اسلامی ممالک کے فلسفے کے متعلق ایک کتاب کا قلمی نسخہ ملا ہے، جس کے مصنف ابوبکر محمد بن موسیٰ الفرج الدربندی ہیں جو گیارہویں صدی کے مشہور عالم تھے۔ یہ کتاب ۱۳۴۳ء میں لکھی گئی تھی اور "حقیقت و ایمانداری" کی تلاش میں اردبیل، دربند، قزوین، ہمدان اور بغداد وغیرہ کا سفر کرنے کے بعد تصنیف کی گئی تھی۔ اس سے اس زمانے کے اسلامی ممالک کا فلسفہ سمجھنے میں مدد ملے گی۔

برقی نرس

برطانیہ میں نرسوں کی کمی کو دور کرنے کے لئے برطانوی سائنسدانوں نے ایک خودکار مشین ایجاد کی ہے جسے برقی نرس کہا جا سکتا ہے۔ یہ مشین خود بخود مریضوں کی نبض، سانس کی رفتار، دل کی حرکت، درجہ حرارت ریکارڈ کرے گی۔ پھر یہ اعداد کاغذ پر منتقل ہو جائیں گے جو ہر مریض کے لئے الگ الگ ہوگا۔ اس مشین کی ایجاد کے بعد تربیت یافتہ نرسوں کو حرارت لکھنے، نبض دیکھنے اور اس طرح کے کام سے فرصت ملے گی اور وہ مریضوں کی دیکھ بھال پر زیادہ وقت صرف کر سکیں گی۔

مراسلات

کچھ امیر مینائی کے بارے میں

"ہماری زبان" مورخہ یکم جون ۶۲ء میں میرا ایک مضمون "امیر مینائی کا ایک نادر قلمی دیوان، گوہر انتخاب" شائع ہوا تھا۔ اس میں امیر کے دیوان "مرآۃ الغیب" کا سال ترتیب ۱۲۰۲ھ کے بجائے ۱۲۰۴ھ اور ان کے مجموعۂ مفردات "گوہر انتخاب" کا سال ترتیب ۱۲۰۵ھ کے بجائے ۱۲۷۵ھ چھپ گیا تھا۔ اسی طرح صفحہ ۷ کالم ۲ کی نویں سطر میں "جوہر انتخاب" کے بجائے "گوہر انتخاب" طبع ہو گیا تھا۔ میں نے اس خیال سے کہ مبادا کوئی صاحب اعتراض کر بیٹھیں پرچہ آتے ہی تصحیح لکھ کر بھیج دی تھی۔ "ہماری زبان" میں نہ وہ تصحیح شائع ہوئی اور نہ اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہوا لیکن "ہماری زبان" ۸ جولائی ۶۲ء میں قاضی معراج دھولپوری صاحب کا ایک مراسلہ نظر آیا جس میں میرے مضمون پر ایک ایسا اعتراض کیا گیا ہے جس کا مجھے مطلق گمان نہ تھا۔ "ناگہانی" غالباً اسی کو کہتے ہیں۔

قاضی صاحب کا خیال ہے کہ میں نے اپنے مضمون میں امیر مینائی کے مطبوعہ مجموعۂ مفردات کو غیر مطبوعہ قرار دیا ہے۔ معلوم نہیں موصوف کو یہ غلط فہمی کیوں ہوئی۔ میں نے مضمون میں امیر کے غیر مطبوعہ منتخب دیوان موسوم بہ "گوہر انتخاب" (مملوکہ رضا لائبریری، رام پور) کو متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ ضمناً امیر کے مطبوعہ مجموعۂ مفردات گوہر انتخاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا سال ترتیب اور سال اشاعت بھی درج کیا ہے۔ قاضی صاحب میرا مضمون دوبارہ ملاحظہ فرمائیں گے تو انھیں محسوس ہوگا کہ اس میں جو قلمی دیوان زیر بحث ہے وہ اس مطبوعہ مفردات سے مختلف ہے جس کا ذکر انھوں نے کیا ہے، اگرچہ دونوں کے نام ایک ہی ہیں۔

جہاں تک گوہر انتخاب "مطبوعہ" کا تعلق ہے، قاضی صاحب نے شاہ ممتاز علی آہ کی کتاب "سیرت امیر مینائی" کے حوالے سے اپنے مراسلے میں بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ "یہ مجموعہ مطبع ... مطابع اسی زمانے میں چھپ گیا تھا اور شاہ صاحب کے پاس موجود تھا۔" حسن اتفاق سے یہ مجموعہ میرے پاس بھی موجود ہے اور اس کے بارے میں ایک ایسی بات میرے علم میں ہے جس کا ذکر ممتاز علی آہ نے بھی نہیں کیا ہے۔ یہ مجموعہ سب سے پہلے ریاض خیرآبادی کے "گلکدۂ ریاض" میں "آب گوہر" کے نام سے بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا۔

امیر کے پہلے دیوان کا نام جو غدر میں تلف ہو گیا تھا بلا شبہ "غیرت بہارستان" تھا اور اس کا ذکر بھی میں نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ حال میں ادارہ "فروغ اردو" لاہور نے امیر کے کلام کا ایک انتخاب اسی نام سے شائع کیا ہے اور اندرونی ٹائٹل پر ... درج کئے ہیں جن سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ "غیرت بہارستان" کو ... دستیاب ہو گیا ہے جو اس انتخاب کی زینت ہے لیکن یہ دھوکا ہی دھوکا ہے کیونکہ یہ تقریباً سب کا سب امیر کے مطبوعہ دواوین مرآۃ الغیب اور صنم خانۂ عشق کا انتخاب ہے۔ اس انتخاب کے صفحہ ۲۰۰ پر دو شعروں کے نیچے غیر مطبوعہ لکھا گیا ہے لیکن نہ تو اس کا کوئی ثبوت دیا گیا ہے کہ یہ شعر امیر کے ہیں اور نہ یہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ غدر سے پہلے کہے گئے ہیں یا بعد کے۔ امیر کی ادبی عاشقانہ مثنوی کے چند اقتباسات غالباً اس وقت جب یہ انتخاب شائع ہوا تھا غیر مطبوعہ تھے لیکن پوری مثنوی اردو، کراچی بابت جولائی ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکی ہے اور ... شب علی خان ... کی تالیف ہے۔ امیر کے دیوان غیرت بہارستان یا غدر سے پہلے کے کلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

امیر کا ذکر ہے تو کچھ دلچسپ باتیں اور سن لیجئے۔ قاضی معراج دھولپوری صاحب نے اپنی ... نامہ میں لکھا ہے کہ "آہ مرحوم امیر مینائی کے عزیز شاگردوں میں تھے۔ اکثر حضور اپنے استاد کے شریک کار رہتے تھے۔ نیز امیر اللغات کی تدوین میں بھی یہ ان کے ساتھ تھے۔" خلیل مانک پوری پر بھی یہ تینوں باتیں صادق آتی ہیں۔ انھوں نے بھی امیر مینائی کی ایک سوانح عمری "سوانح امیر مینائی" کے نام سے لکھی ہے جو ۱۳۲۸ ہجری میں شائع ہوئی تھی۔ صفحہ ۲۶ پر رقمطراز ہیں:-

"مرزا رجب علی بیگ سرور مصنف فسانۂ عجائب امیر کے بڑے دوست تھے۔ اکثر مرزا صاحب کے مکان پر امیر کی نشست و برخاست رہتی تھی۔ منشی سلیم الزماں صاحب خواہرزادۂ امیر مینائی بیان کرتے تھے کہ میری عمر اس وقت گیارہ برس کی ہوگی میں بھی اکثر حضرت کے ہمراہ سرور کے مکان پر جاتا تھا اور شعر و سخن کے مذکرے ہوتے تھے۔ رجب علی بیگ اس زمانہ میں فسانۂ عجائب کی تالیف میں مصروف تھے۔ چنانچہ جس قدر وہ روزانہ لکھتے جاتے تھے امیر صاحب کو سنایا کرتے تھے۔"

فسانۂ عجائب ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں مرتب ہو چکا تھا۔ امیر اس وقت عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے۔ ان کا سال پیدائش ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء ہے۔

آفتاب احمد صدیقی صاحب نے امیر کی تصانیف اور دوسرے مصادر سے ماخذ لے کر "صہبائے مینائی" کے نام سے ایک کتاب بھی مرتب کی ہے اور اس کے آخر میں ایک ضمیمہ "امیر مینائی کے غیر مطبوعہ خطوط، غزلیں اور متفرق اشعار" کے عنوان سے شامل کیا ہے۔ دیباچہ میں بڑے فخر سے لکھا ہے کہ "دوسرا ضمیمہ جس کی سرخی امیر کے غیر مطبوعہ خطوط اور متفرق اشعار ہے اپنی اہمیت بیان کی محتاج نہیں۔ اس میں جو خوبی ہو اس کی داد سید فاضل زیدی (نبیرۂ میر مہدی مجروح) کو دیجئے اور جو خامی نظر آئے اسے میرے نام لکھ دیجئے۔" لیکن سوئے اتفاق سے اس میں ایک ایسی خامی ہے جسے پڑھنے والوں کو سید فاضل زیدی صاحب کے نام بھی لکھنا پڑے گا۔ ایک غزل درج ہے جس کا مطلع ہے:

جنوں ہی میں ہے وہ بت کچھ مجھے خبر بھی ہے
چھپا ہوا انھیں پردوں میں فتنہ گر بھی ہے

یہ غزل امیر کے دیوان "صنم خانۂ عشق" میں شائع ہو چکی ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ مطلع کے دوسرے مصرعے میں "پردوں" کے بجائے "فتنوں" ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ اور "صہبائے مینائی" کے دو شعر "صنم خانۂ عشق" میں، "صنم خانۂ عشق" کا ایک شعر "صہبائے" میں نہیں ہیں۔ لطف یہ ہے کہ آفتاب احمد صدیقی صاحب نے اپنی تالیف میں صنم خانۂ عشق کا ایک سیر حاصل انتخاب بھی دیا ہے۔ ضمیمہ کی دوسری غزل بھی جس کا مطلع ہے:

چمن میں شاخ گل نے بے ثباتی کی نکالی ہے
کہ گل کو خار سے بچوا ابھی آکر لگا لی ہے

غیر مطبوعہ نہیں کیونکہ یہ امیر کے گلدستہ "دامن گلچیں" بابت مارچ ۱۸۹۹ء میں چھپ چکی ہے۔ اسی طرح اس ضمیمہ کے بعض متفرق اشعار بھی صنم خانۂ عشق کی اشاعت کے بعد امیر کی زندگی میں بعض گلدستوں میں شائع ہو چکے ہیں اور غیر مطبوعہ نہیں۔

غلطی سے کوئی محقق بچ نہیں سکتا لیکن بات یہ ہے کہ اردو تحقیق میں عجلت پسندی اور سہل انگاری کی وجہ سے ثانوی ماخذ اور بے بنیاد باتوں پر بھروسا کر لینے کا زیادہ چلن ہے اس لئے فاش غلطیاں ہوتی ہیں اور ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں۔

(ابو محمد سحر)

مرزا تقی ہوسؔ کے دیوان کے قلمی نسخے

اخبار "ہماری زبان" مورخہ یکم جولائی میں نادمؔ سیتاپوری صاحب کا ایک مضمون "مرزا تقی ہوسؔ اور خواجہ عشرتؔ لکھنوی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ان کے مختصر حالات قلمبند کرتے ہوئے دیوان کے متعلق حسب ذیل صراحت بھی فرمائی ہے:-

"خواجہ عشرتؔ نے ہوسؔ کا کچھ انتخاب بھی پیش کیا ہے جو زبان کی صفائی کے اعتبار سے اتنا بلند ہے کہ اس کی مثالیں شاید میرؔ کے سوا کہیں دوسری جگہ نظر نہ آئیں۔ میرا خیال ہے کہ ہوسؔ کا مکمل یا نامکمل قلمی دیوان اور غالباً کچھ مرثیے پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب لکھنوی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔" (ہماری زبان)

اس صراحت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہوسؔ کا دیوان نایاب ہے اور نادمؔ سیتاپوری صاحب کو اس کے دوسرے قلمی نسخوں کی اطلاع نہیں ہے۔

کتب خانہ نواب سالار جنگ (حیدرآباد) کی اُردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست (جس کو شائع ہوئے کچھ عرصہ ہوا ہے) اگر مطالعہ کرلی جاتی تو معلوم ہوتا کہ کتب خانہ مذکور میں دیوان ہوسؔ کا ایک نسخہ ہے، اور کتب خانۂ آصفیہ (حیدرآباد) میں بھی ایک نسخہ ہے نیز انجمن ترقی اُردو علی گڑھ کے کتب خانہ میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے یعنی اس وقت تین نسخے ہمارے علم میں ہیں۔

کتب خانہ سالار جنگ کا قلمی نسخہ (۸½ × ۵½) سائز کے (۵۵) صفحات پر مشتمل ہے، اور کتابت ۱۲۲۳ھ میں ہوئی ہے آغاز یہ ہے۔

اے عشق قدم اب تو تری راہ میں ڈالا   الان توکلت علے اللہ تعالیٰ
جوں گردشِ افلاک جو پھرتا ہوں شب و روز   ہے رشک صد اختر مرے ہر پاؤں کا چھالا

اس دیوان میں صرف غزلیات ہیں کوئی اور دوسرا کلام نہیں ہے، اسی کتب خانہ میں ان کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کا قلمی نسخہ بھی موجود ہے جو ۱۱۹۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے، خوشخط اور مطلا ہے، اس کا سائز (۱۰ × ۶½) ہے۔

کتب خانۂ آصفیہ (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد) میں ہوسؔ کے دیوان کے علاوہ کلیات کا بھی ایک نسخہ ہے چنانچہ اس کی صراحت بھی کی جاتی ہے۔

(۱) دیوان ہوسؔ سائز (۹ × ۶) صفحات (۲۵۰)

آغاز:-

نقوش کلک قسمت میں ہے اندیشہ کو حیرانی
پڑھا جاتا نہیں ہرگز کسی سے خط پیشانی

اس دیوان میں غزلیات، قصائد، مخمس، رباعیات اور منظوم خطوط شامل ہیں۔

(۲) کلیات ہوسؔ سائز (۱۵ × ۸) صفحات (۳۰۴)

آغاز:-

نقوش کلک قسمت میں ہے اندیشہ کو حیرانی
پڑھا جاتا نہیں ہرگز کسی سے خط پیشانی

ہوسؔ کی لیلیٰ مجنوں کا ایک نسخہ بھی ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۹۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے، ان کے استاد میر حسنؔ کی مثنوی اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۱۹۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ ہوسؔ کی مثنوی لیلیٰ مجنوں طبع بھی ہو گئی ہے۔

انجمن ترقی اُردو میں دیوان ہوسؔ کا جو نسخہ ہے، اس کا نمبر (۶۶) ہے، اس کی صراحت انجمن کی مختصر فہرست میں ہوئی ہے، اس سے واضح ہوگا کہ ہوسؔ کے دیوان اور کلیات کے کئی نسخے دستیاب ہو سکتے ہیں اور معدوم نہیں ہیں۔ کبھی تفصیل سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے تاکہ ارباب علم پوری طرح واقف ہو جائیں۔

(نصیر الدین ہاشمی)

ڈاکٹر اقبال کا سال ولادت

۸ر جولائی کے "ہماری زبان" میں یہ اطلاع شائع ہوئی تھی:-

"قومی زبان (کراچی) کی ایک خبر کے مطابق اقبال مرحوم کے لوح مزار پر پیدائش کی تاریخ ۱۲۹۴ھ کندہ ہے جو غلط ہے۔ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ڈاکٹر اقبال ۲۲ر فروری ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۰ھ* کو پیدا ہوئے تھے"

لیکن ولادت کے یہ دونوں عیسوی و ہجری سال باہم مطابق نہیں ہیں، اگر ۱۸۷۳ء پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے تو اس کی مطابقت ۱۲۹۰ھ سے نہیں، بلکہ ۱۲۸۹ھ سے ہوتی ہے۔

انجمن ترقی اُردو (پاکستان) نے مطابقت سنین کی آسانی کے لئے تقویم ہجری و عیسوی ۱۹۵۲ء میں شائع کردی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸۷ پر ۱۸۷۳ء کا ۱۲۸۹ھ کے مطابق ہونا درج ہے۔

اگر ۱۸۷۳ء صحیح سال ولادت ہو تو اس کے مطابق ۱۲۸۹ھ ہجری سال بھی درست ہوگا۔ اور اس حساب سے ڈاکٹر اقبال کی عمر ۶۷ سال ہوگی جو بالکل قرین قیاس ہے۔

(حامد حسن قادری کراچی)

انیس لائبریری کا قیام

یہ خبر اہل ذوق حضرات کو سُن کر خوشی ہوگی کہ میں نے اپنے قصبہ قادیان ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ایک لائبریری قائم کی ہے جس میں مجھے اُردو مطبوعات خرید کر مزید اضافہ کرنا ہے۔ جملہ کتب فروشوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے ذخیروں کی جامع فہرست مجھے بھیج دیں۔ (انیس شاہجہاں پوری)

انیس لائبریری۔ قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب) انڈیا

---

* ۱۲۹۰ھ کتابت کی غلطی تھی۔ قومی زبان میں ۱۲۸۹ھ درج ہے۔ (ادارہ)

ضیاء احمد بدایونی

تبصرے

اُردو مثنویاں

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ریڈر شعبۂ اُردو۔ دہلی یونیورسٹی۔

ملنے کا پتا: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، دہلی۔ قیمت چھ روپے۔

اُردو میں بے شمار مثنویاں لکھی گئی ہیں عشقیہ، افسانوی، اخلاقی، صوفیانہ مذہبی وغیرہ۔ قطب شاہی دور سے لے کر اب تک لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا اور دادِ سخن دی۔ مگر اس کا افسوس ہے کہ خود مثنوی پر مولوی امیر احمد علوی کی "مثنویات" پروفیسر عبدالقادر سروری کی "اُردو مثنوی کا ارتقا" یا مولوی جلال الدین احمد جعفری کی نصابی کتاب "تاریخ مثنویاتِ اُردو" کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں ملتی اور کسی نے اس موضوع پر تحقیقی و تاریخی مواد پیش نہیں کیا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ تمام اُردو دوستوں کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پہلی بار اس بحث پر نہایت لیاقت اور دیدہ ورانہ جامعیت کے ساتھ قلم اٹھایا۔ انھوں نے اپنی بحث کو صرف انھیں اُردو مثنویوں تک محدود رکھا ہے جو ہندوستانی قصوں سے ماخوذ ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔ اس غرض سے موصوف کو پوران کی کہانیوں، لوک کہانیوں، نیم تاریخی قصوں اور ہند ایرانی قصوں کی کتابوں کے ہزاروں اوراق کھنگالنے پڑے ہوں گے جن سے انھوں نے بڑی کاوش سے کارآمد مواد تلاش کیا۔ اور کمال سلیقے سے ترتیب دیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ ضمیمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف ضروری اضافے، ترمیمات و استدراکات درج کر دئے ہیں جو بعد کو دورانِ تحقیق میں نظر سے گذرے۔ غرض یہ کتاب بے شبہہ ہماری زبان کی تاریخ و تحقیق کے سلسلے میں ایک مفید اور گراں قدر اضافہ ہے۔ اور ضرورت ہے کہ اُردو کی کوئی لائبریری اس سے خالی نہ رہے۔ "اردو مثنویاں" ڈاکٹر صاحب موصوف کا مخصوص موضوع ہے۔ کاش وہ اُردو کی ان مثنویوں پر بھی جو ہندوستانی قصوں سے تعلق نہیں رکھتیں ایک سیر حاصل بحث سپردِ قلم کر سکیں۔

یادگار یوم محمد قلی قطب شاہ (۱۳۶۲ھ)

مرتبہ ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد دکن۔

کتابچہ جس کے سرورق پر محمد قلی قطب شاہ کی تصویر اور آخر میں سلطان مذکور کے گنبد کا نقشہ ہے۔ یادگار یوم قطب شاہ کے موقع پر شائع کیا گیا تھا۔ اس میں مقبرۂ قطب شاہی، نمائش کی کتابوں اور تصویروں اور دوسری ضروری معلومات کی تفصیل درج ہے۔

قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

مطبوعات انجمن ترقی اُردو پاکستان

مضامین سلیم (جلد اول، دوم، سوم)

مصنف۔ سید وحیدالدین سلیم، مرتب۔ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸۔ صفحات۔ اول ۲۲۴، دوم ۲۱۴، سوم ۲۰۸

قیمت۔ اول ۴.۵۰، دوم ۴.۰۰، سوم ۴.۰۰

غالب ــــ فکر و فن

مصنف۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸۔ صفحات ۲۶۴، قیمت پانچ روپے

رومیو جیولٹ

مصنف۔ ولیم شیکسپیر، مترجم۔ عزیز احمد

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۶۸، قیمت پانچ روپے

داس کیپٹال ۔ جلد اول

مصنف۔ مارکس، کارل مترجم۔ سید محمد تقی،

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۸۰، قیمت ۷.۵۰ روپے

فاؤسٹ۔ جلد اول

مصنف۔ گوئٹے، مترجم۔ عبدالقیوم باقی

قیمت۔ چار روپے ۵۰ نئے پیسے۔

قدیم اُردو

مصنف۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸ ۔ صفحات ۲۵۵

قیمت پانچ روپے ۵۰ نئے پیسے

سرشار کی ناول نگاری

مصنف۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸۔ صفحات ۳۱۶

قیمت چھ روپے ۵۰ نئے پیسے

مرد انجم (ترجمہ)

مصنف۔ ڈیوڈسن، مارٹن

مترجم۔ نثار الحق صدیقی

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۰۴، قیمت ۴.۵۰

خیالاتِ عزیز

مصنف۔ مولوی محمد عزیز مرزا

مرتب۔ منشی دیا نرائن نگم

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۴۰، قیمت ۴.۵۰

ملنے کا پتہ

انجمن ترقی اُردو ۔ اُردو روڈ ۔ کراچی ۱

پبلشر مدیر پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا